اردو زبان کے لسانی مباحث

Linguistic Discussions of Urdu Language

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2024.08032244

ڈاکٹر خضریٰ تبسم
Dr Khizra Tabassum
Assistant Professor, Department of Urdu
Lahore College for Women University, Lahore
ڈاکٹر قدیر انجم
Dr Qadeer Anjum
Assistant Professor, Department of Urdu
Lahore College for Women University, Lahore

Abstract:

The beginning and evolution of Urdu language is a controversial issue in our country. The research and editing of linguists regarding the early characteristics of Urdu language and its development is still going on. First, European historians researched and edited linguistics and presented their ideas. These theories were an early reference, hence their importance to Islam. Subsequent researchers and linguists carried on the same work. The beginning of the twentieth century marks the beginning of a vernacular period of linguistic research. During this period, there is a tendency to assign Urdu to a particular place or place. Many researchers have traced the traces of Urdu in the Mughal period. Among them, Mera Man, Sir Syed Ahmad Khan, Maulana Sohbai, Shamsullah Qadri and Maulana Muhammad Hussain Azad are worth mentioning. And some say it is a Dravidian language and some say Urdu is the daughter of Braj Bhasha. There are many theories about the origin of the Urdu language, but it is not entirely correct to connect it with any one region.

Keywords:

Linguists, European historians researched, Vernacular Period, Dravidian Language, Braj Bhasha

زبانِ اردو کی ابتدا و ارتقا کا معاملہ ہمارے ہاں ایک متنازع مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اردو زبان کے ابتدائی خدوخال اور اس کی نشوونما کے حوالے سے ماہرین لسانیات کی تحقیق و تدوین تا حال جاری ہے۔ پہلے پہل یورپی مستشرقین نے لسانی حوالے سے تحقیق و تدوین کی اور اپنے نظریات پیش کیے۔ یہ نظریات یا نتائج چوں کہ ابتدائی حوالہ تھے، اس لیے ان کی اہمیت مسلّم ہے۔ ان کے بعد آنے والے محققین اور ماہر لسانیات نے اسی کام کو آگے بڑھایا اور مزید جانچ پڑتال کی۔ بیسویں صدی کے آغاز سے لسانی تحقیقات کا ایک مقامی دور شروع ہوتا ہے۔ مقامی یوں کہ اس دور میں اردو کو کسی خاص مقام یا جگہ سے مخصوص کرنے کا رجحان ملتا ہے مثلاً نصیر الدین ہاشمی کی تصنیف "دکن میں اردو" ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ حافظ محمود شیرانی کی کتاب "پنجاب میں اردو" ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی، سید سلیمان ندوی نے "نقوشِ سلیمانی" میں اردو کا مآخذ سندھ کو قرار دیا۔ اسی طرح کئی فاضلین نے اردو کے آغاز کے نقوش مغلوں کے عہد میں تلاش کیے۔ ان میں میرا من، سرسید احمد خاں، مولانا صہبائی، شمس اللہ قادری اور مولانا محمد حسین آزاد قابلِ ذکر ہیں جب کہ ڈاکٹر سہیل بخاری اردو زبان کے جنم کو دراوڑی تہذیب تک لے جاتے ہیں۔ کوئی اردو کو برج بھاشا کی بیٹی قرار دیتا ہے، کوئی پنجابی اور سریانی زبان کو اہم قرار دیتا ہے اور کوئی پراکرت، قنوجی اور کھڑی بولی کو اردو کا منبع قرار دیتا ہے۔

اردو زبان کی ابتدا کے ضمن میں بہت سے نظریات پیش کیے گئے ہیں لیکن ان نظریات میں تحقیق و تدوین کی بجائے جذبات کو دخل ہے۔ اس لیے کسی ایک نظریہ کے متعلق بھی قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بالکل درست ہے۔ اردو کی ابتدا کے بارے میں سب سے پہلے جو نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں میرا من، سرسید احمد خاں، مولانا صہبائی، شمس اللہ قادری اور مولانا محمد حسین آزاد کے نظریات ہیں ان تمام فاضلین کے مطابق اردو زبان کی ابتدا کا سہرا مغلوں کے سر ہے۔ شوکت سبزواری رقم طراز ہیں:

> "اردو کا مسلمانوں سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ وہ مسلمانوں کی ساختہ نہ سہی پرداختہ ضرور ہے۔ عہد شاہجہانی تو اُس کے شباب کا زمانہ تھا۔ شہاب الدین غوری جب فاتحانہ شان سے دہلی میں داخل ہوا تو اردو مولانا آزاد مرحوم کے لفظوں میں دلی کی گلیوں میں گھٹنیوں چلتی تھی مسلمانوں نے اُٹھا کر اُسے سینہ سے لگایا۔ پال پوس کر چونچال بنایا۔ دل فریب ادائیں سکھائیں --- یہ مسلمانوں کی نگہداشت اور پرداخت کا اثر تھا لیکن یہ سمجھنا کہ مسلمانوں کی برصغیر ہند میں آمد سے پہلے اردو کا وجود ہی نہ تھا ہندو اور مسلمانوں کے میل

جول نے اسے جنم دیا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔"(۱)

میر امن لسانیات کے ماہر نہیں مگر انھوں نے اپنی کتاب "باغ و بہار" (۱۸۰۲ء) جو اردو داستان گوئی کے فن میں ایک اہم مقام رکھتی ہے، کے دیباچہ میں اردو زبان کی ابتدا کے متعلق جو رائے دی ہے اس سے کئی دیگر محققین بھی متفق ہیں۔

> "جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ اس لیے اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال و جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔"(۲)

بہت سے مستشرقین مثلاً ڈاکٹر ہارنل، گارسیں دتاسی اور مشہور ماہر لسانیات ڈاکٹر جارج گریرسن نے اپنی تصنیف "Linguistic Survey of India" میں اردو کو مخلوط زبان قرار دیا۔ سرسید احمد خاں اپنی کتاب "آثار الصنادید" ۱۸۴۷ء میں اردو زبان کا ارتقا شاہ جہاں کے زمانے میں بتاتے ہیں کہ جب شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ بنا۔ اس وقت دہلی میں تمام ملکوں کے لوگ جمع ہوئے سب کی بولی اور گفت گو کا انداز الگ الگ تھا، وضع قطع جدا جدا تھی جب ایک دوسرے سے بات چیت کرتے تو کچھ لفظ اپنی زبان سے اور کچھ دوسرے کی زبان سے ملا کر بولتے جس پر ایک نئی زبان کا گمان ہونے لگتا جو کہ تیسری زبان کہلاتی۔ آہستہ آہستہ اس زبان نے اپنی شناخت بنا کر الگ زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ سرسید کے ان افکار و خیالات کے بعد امام بخش صہبائی نے رسالہ "قواعد اردو" میں اور شمس اللہ قادری نے رسالہ "تاج اردو" میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری "داستانِ زبان اردو" میں ان افکار و خیالات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اردو کے آغاز کے سلسلے میں آج تک جو نظریے اہل علم نے پیش کیے ہیں ان میں سنجیدہ اور غیر سنجیدہ سبھی قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک نظریہ جسے میں غیر سنجیدہ سمجھتا ہوں یہ ہے کہ اردو کھچڑی ہے۔۔۔ چڑیا لائی چاول کا دانہ، چڑا لایا مونگ کا دانہ دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی۔ عربی فارسی الفاظ

مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ہندوؤں نے ہندی افعال و حروف فراہم کیے۔ ہندو مسلمان کے میل ملاپ سے اردو نے مغلوں کے زمانے میں یا اس سے پہلے کچھ جنم لیا۔"(۳)

اسی طرح آزاد بھی "آبِ حیات" میں اردو زبان کا تعلق برج بھاشا سے جوڑتے ہیں:

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ آئی ہو۔ اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے اور برج سبزہ زار اس کا وطن ہے۔"(۴)

آزاد کے خیال میں فارسی اور برج بھاشا کے الفاظ کے باہمی لین دین سے اردو زبان بنی۔ ان کے نزدیک دہلی اور گردونواح میں برج بھاشا کا راج تھا یعنی اردو سنسکرت اور برج بھاشا سے مل کر بنی ہے لیکن آزاد نے اس نظریے کے بارے میں کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ انھوں نے نہ تو تاریخی شواہد پیش کیے اور نہ لسانی شواہد۔ محمد حسین آزاد اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف ایسے الفاظ کی مثالیں دیتے ہیں جو سنسکرت اور بھاشا سے بگڑ کر اردو میں داخل ہوئے۔ اس کے علاوہ برج بھاشا کو اردو کا منبع قرار دینے کے سلسلے میں آزاد کے پاس کوئی ٹھوس شواہد موجود نہیں۔ محمد حسین آزاد سے پہلے دراصل یہ نظریہ کسی یورپی مصنف نے پیش کیا تھا آزاد نے صرف ان کی تقلید کی۔ لسانی حوالے سے اردو زبان زیادہ قدیم اور دقیق ہے جب کہ برج سادہ اور آسان ہے۔ اردو اور برج کے کچھ عناصر مشترک اور مشابہت رکھتے ہیں لیکن یہ صرف برج کی خصوصیت نہیں۔ بعض دوسری زبانیں بھی اردو سے مشابہ ہیں اس کے علاوہ اردو اور برج کے صرف و نحو کے قواعد میں بہت اختلاف بھی ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو زبان برج بھاشا سے کسی طرح بھی ماخوذ نہیں۔

نصیر الدین نے اپنی کتاب "دکن میں اردو" ۱۹۲۳ء میں ان افکار و خیالات کا اظہار کیا کہ فتح سندھ سے قبل مسلمانوں کا اہل ہند سے رابطہ ہو چکا تھا دکن کی مقامی بولیوں میں مرہٹی، تامل، تلیگو اور بھاشا وغیرہ میں عربی کے الفاظ کی کافی آمیزش ہو چکی تھی بعد میں فارسی زبان نے بھی اپنا اثر دکھایا یوں دکن کی سرزمین پر ان سب بولیوں کے ملاپ نے اردو کی مخصوص شکل صورت ہی نہیں متعین کی بلکہ ادبی تخلیقات کے لیے سانچے بھی مہیا کیے۔ نصیر الدین ہاشمی کی طرح سید سلیمان ندوی بھی اپنی تصنیف "نقوشِ سلیمانی" میں لکھتے ہیں کہ سندھ اور گجرات کا علاقہ اسلامی عہد سے پہلے بھی ہمیشہ ایرانیوں اور عربوں کے جہازوں کی گزرگاہ رہا۔ چناں چہ ان کی زبانوں کے اثرات بھی خاموشی کے ساتھ پھیلتے رہتے

تھے۔ خصوصاً سندھ وہ علاقہ تھا جو اکثر ایران کی سلطنت کا جز بنتا رہا۔ محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ پر حملہ کیا اور راجہ داہر سے فتح حاصل کر کے سندھ کو مسلم حکومت کا ایک صوبہ بنا دیا اور یوں شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد اور سکونت کا آغاز ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمان سب سے پہلے سندھ پہنچے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی ابتدا سندھ سے ہی ہوئی ہو گی۔ ڈاکٹر گیان چند اس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سندھ میں عربوں کے آنے سے قدیم سندھی متاثر ہوئی ہو گی۔ لیکن کیا عربی اور سندھی کے میل ملاپ سے اردو پیدا ہو سکتی ہے؟

عین الحق فرید کوٹی کے مطابق جب آریا ہندوستان پہنچے تو وادیِ سندھ کے لوگوں کے ساتھ ان کا میل ملاپ ہوا۔ یہ لوگ اعلیٰ تہذیبی اقدار کے مالک تھے۔ ہڑپہ اور موہن جو داڑو کے لوگوں کی زبان دراوڑی تھی۔ اس زبان سے آریاؤں کی زبان پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔ گویا یہی دراوڑی زبان اردو کی بنیاد طے پاتی ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل ہڑپہ اور موہن جو داڑو کے مقامی لوگوں کی زبان ہی وہ زبان تھی جس سے نووارد آریا متاثر ہوئے۔ یوں مختلف بولیوں کے ملاپ اور آمیزش سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے اردو کا نام دیا جاتا ہے:

> "جب ہم اردو زبان کے لغوی سرمائے اور صرف و نحو کا موازنہ برصغیر کی موجودہ زبانوں سے کرتے ہیں تو جو زبان اس کے سب سے زیادہ نزدیک نظر آتی ہے وہ پنجابی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ صرف و نحو کے لحاظ سے پنجابی کے علاوہ کوئی دوسری زبان اردو سے گہری مطابقت نہیں رکھتی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ اردو زبان کی بنیادیں وادیِ سندھ ہی میں استوار ہوئی ہیں اور اس کا سلسلہء نسب پنجابی، اپ بھرنش اور مقامی پراکرت سے ہوتا ہوا قدیم ہڑپائی عہد کی زبان سے جا ملتا ہے جو کہ آریاؤں کی آمد سے قبل وادیِ سندھ میں مروج تھی۔"(۵)

ان نظریات کے ساتھ ایک اور گروہ بھی سامنے آیا جس میں معین الدین درویش، جولیس بلاک اور ڈاکٹر موہن سنگھ دوانہ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے معلوماتی لیکن کسی قدر جذباتی نظریات پیش کیے ہیں۔ معین الدین درویش نے اردو کی ابتدا یہاں سے بتائی ہے اور ڈاکٹر موہن سنگھ دوانہ کا خیال ہے کہ اردو پوٹھوار سے نکلی ہے اور جولیس بلاک نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ ہندوستان بھر میں ایک ہی زبان بولی جاتی تھی۔ انھوں نے یہ قضیہ ہی ختم کر دیا کہ اردو کی ابتدا کس علاقے سے ہوئی اور اس نے اپنی ارتقائی منازل کن علاقوں میں طے کیں۔

اردو زبان کے آغاز کے حوالے سے بعض نظریات ایسے بھی ہیں جن کے متعلق بلا تکلف اور بلا خوف و تردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظریات واقعی بنیادی اور تحقیقی قسم کے ہیں۔ اس حوالے سے رام بابو سکینہ کا نام اہم ہے۔ "تاریخ ادب اردو" میں انھوں نے محمد حسین آزاد کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ایک نظریہ متعارف کروایا ہے جو حقیقت سے قریب معلوم ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں اردو کا اصل ماخذ وہ زبان ہے جو دہلی میرٹھ اور اس کے اطراف میں بولی جاتی تھی:

> "حقیقت یہ ہے کہ زبان اردو اس ہندی یا بھاشا کی ایک شاخ ہے جو صدیوں تک دہلی اور میرٹھ کے اطراف میں بولی جاتی تھی اور جس کا تعلق شور سینی پراکرت سے بلاواسطہ تھا یہ بھاشا جس کو مغربی ہندی کہنا بجا ہے زبان اردو کی اصل اور ماں سمجھی جا سکتی ہے۔"(۶)

حافظ محمود شیرانی کی تصنیف "پنجاب میں اردو" ۱۹۲۸ء میں شائع ہوتے ہی اردو لسانیات اور تاریخ زبان اردو سے دل چسپی رکھنے والی دنیا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ کیوں کہ عموماً اردو زبان کو لشکر گاہوں اور دربار سے وابستہ کرنے کا رجحان عام تھا لیکن حافظ محمود شیرانی نے اس پرانی روش کو لسانی دلائل اور سیاسی واقعات کی شہادت سے غلط ثابت کیا اور اردو کے بارے میں ایک چونکا دینے والا نظریہ متعارف کروایا جو لسانی مباحث میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور "ہندوستانی لسانیات" میں لکھتے ہیں:

> "ہماری زبان کے لسانی پہلوؤں پر آج تک بہت کم تحقیقات کی گئی ہیں اور جو کچھ کی گئیں وہ دوسری زبانوں میں قلم بند ہوئی ہیں خود اردو زبان میں سوائے پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی "پنجاب میں اردو" کوئی حکمیاتی اور قابل قدر کام نہیں کیا گیا۔"(۷)

حافظ محمود شیرانی نے نہایت درجہ تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اردو کا تعلق دہلی سے ضرور ہے لیکن اردو زبان دہلی کی قدیم زبان نہیں ہو سکتی۔ شیرانی کے خیال میں یہ زبان مسلمانوں کے ساتھ دہلی گئی اور چوں کہ مسلمانوں کی پنجاب سے ہجرت ثابت ہے اس لیے لازم ہے کہ پنجاب کی زبان بھی ان کے ساتھ ہی گئی ہو گی۔ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ دہلی سے قبل مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد پنجاب میں آباد ہو گئی اس بات پر تو سب ماہرین لسانیات اتفاق کرتے ہیں کہ اردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول اور مختلف بولیوں کی آمیزش کا نتیجہ ہے حافظ محمود شیرانی کا

خیال ہے کہ فتح دہلی سے پیشتر جو کم و بیش دو سال کا عرصہ پنجاب میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی روابط پر گزرا اس کی اہمیت کو قرار واقعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ حافظ محمود شیرانی تاریخی اور واقعاتی شہادتوں کے علاوہ زبان کے کینڈے کے حوالے سے بھی بحث کرتے ہیں کیوں کہ جدید لسانیات میں زبانوں کے اشتراک اور ماخذ پر بحث کرنے کے لیے کسی زبان کا بنیادی ڈھانچہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ شیرانی کے نزدیک صرف و نحو کے اعتبار سے اردو اور پنجابی آپس میں مشابہ ہیں۔ مثلاً مصدر کا قاعدہ تذکیر و تانیث، مستقبل کا اصول، دعائیہ وندائیہ اور اردو کا قاعدہ دونوں زبانوں میں ایک ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ دونوں زبانوں میں ساٹھ فیصد الفاظ بھی مشترک ہیں۔

حافظ محمود شیرانی نے اپنے نظریہ کو تاریخی اور واقعاتی شہادتوں اور لسانی دلائل سے ثابت کرنے کی سعی کی ہے جب کہ ان پر اعتراضات بھی ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے پہلا اعتراض ڈاکٹر شوکت سبزواری کا ہے جو "داستانِ زبانِ اردو" میں ان افکار و خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ لسانی موازنے کے لیے بنیادی چیز زبان کا کینڈا ہے لیکن اردو اور پنجابی زبانیں ظاہری مشابہت کے باوجود کینڈے کے لحاظ سے مختلف زبانیں ہیں:

> "اردو اور پنجابی ان تمام لسانی مشابہتوں کے باوجود جن کا ذکر مولانا حافظ محمود شیرانی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب میں کرتے ہیں مزاج اور ساخت کے اعتبار سے مختلف زبانیں ہیں ان میں اصلی اور نسلی امتیازات ہیں جو ان کے مختلف الاصل ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور صاف صاف چغلی کھاتے ہیں کہ یہ زبانیں ایک گھرانے کی نہیں دو گھرانوں کی ہیں ایک نسل کی نہیں دو نسل کی ہیں۔"(۸)

ایک اور سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا میل ملاپ پنجاب سے پہلے سندھ میں ہوا تو پھر وہاں کیوں نہ ایک نئی زبان وجود میں آئی؟

ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حافظ محمود شیرانی کے افکار و خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں کہ اردو زبان کا آغاز مسلمانوں کے فتح دہلی سے قبل ہوا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اپنی تصنیف "ہندوستانی لسانیات" اور اپنے مقالے "اردو لسانیات" میں لسانی نظریہ بیان کرتے ہیں کہ اردو کا ماخذ دراصل وہ زبان ہے جو بارہویں صدی میں پنجاب کے لوگوں کی زبان تھی۔ ان کے نظریے سے چند نکات واضح ہوتے ہیں جس عہد میں اردو پنجاب میں وارد ہوئی اس وقت پنجاب اور دوآبہ گنگ و جمن کی زبانوں میں بہت اختلاف تھا۔ برج بھاشا، کھڑی بولی اور دیگر زبانیں تو بعد میں بارآور ہوئیں۔ ڈاکٹر زور

اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اردو کا ماخذ دراصل وہ زبان ہے جو اس عہد میں دہلی کے گرد و نواح اور دو آبہ گنگ و جمن کی زبان تھی مگر آگے چل کر وہ اپنے خیالات کی تردید کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں کہ اردو زبان کا ماخذ نہ تو پنجابی زبان ہے اور نہ ہی یہ کھڑی بولی کی کوئی شاخ ہے بلکہ اس کا ماخذ و سرچشمہ وہ زبان ہے جو ان دونوں کی مشترک بنیاد تھی۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری جہاں دوسرے نظریات کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں وہاں اردو زبان کا ایک نظریہ بھی متعارف کرواتے ہیں۔ ان کے خیال میں زبانِ اردو قدیم ویدوں کے عہد میں ہندوستان میں بولی جانے والی بولیوں میں سے ایک کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری اپنے نظریہ کو بیان کرتے وقت لسانی دلائل سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں دو یا دو سے زیادہ زبانوں کے ملاپ سے کوئی نئی زبان نہیں بن سکتی جو ساخت کے اعتبار سے ان سے جدا حیثیت رکھتی ہو بلاشبہ زبان سے زبان استفادہ کرتی ہے وہ کچھ لیتی ہے اور کچھ دیتی ہیں یہ لین دین عموماً فروغی یعنی غیر اساسی ہوتا ہے دوسرا زبانوں سے استفادہ کرنے کے بعد زبان کی فطرت نہیں بدلتی۔ بلکہ اس کا روپ بدل جاتا ہے اس سے مزاجوں میں تغیر نہیں آتا بلکہ زبان کا رنگ نکھر جاتا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مطابق اردو زبان برج، ہریانی، پنجابی اور دوسری بولیوں سے ماخوذ نہیں بلکہ زبانِ اردو ہندوستانی کھڑی بولی ہے جو قدیم ویدک عہد میں بولی جاتی تھی جو بعد ازاں ترقی کرتے کرتے دوسری زبانوں سے اخذ و تاخیز کرتے موجودہ صورت حال تک پہنچی۔ بقول ان کے زبانِ اردو مسلمانوں کی فتح دہلی سے قبل بھی علاقہ دہلی اور اس کے اطراف کی زبان تھی۔ بعد ازاں اسے شاہی سرپرستی نصیب ہوئی تو یہ بہت جلد ترقی کر کے ملک کی ادبی زبان بن گئی۔

ڈاکٹر مسعود حسین نے پی ایچ ڈی لسانیات میں کی۔ ان کے تحقیقی مقالے کے ابتدائی ابواب ۱۹۴۸ء میں "مقدمہ تاریخ زبان اردو" کے نام سے شائع ہوئے جو اردو لسانیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، لکھتے ہیں:

> "اردو کا ڈھانچہ برج بھاشا پر تیار نہیں کیا گیا ہے۔ قدیم اردو جمنا پار کی ہریانہ بولی سے قریب تر تھی۔ جدید اردو اپنی صرف و نحو کے اعتبار سے مراد آباد اور بجنور کے اضلاع کی بولی سے قریب تر ہے۔ برج بھاشا نے بعد کو اردو کا معیاری لب و لہجہ متعین کرنے میں ضروری مدد دی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سکندر لودھی کے عہد سے لے کر شاہجہاں کے زمانے تک آگرہ ہندوستان کا پایہء تخت رہا ہے۔"(۹)

ان کے نزدیک زبان اردو کا اصل سرچشمہ نواح دہلی کی بولیاں ہیں ان کے خیال میں دہلی شہر ہریانی کھڑی اور میواتی بولی کے سنگم پر واقع ہے۔ تحقیق کے مطابق دکن کی قدیم زبان کے مطالعہ کے حوالے سے ہریانی زبان خاص اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ آج بھی شہر دہلی اور اس کے گرد و نواح میں یہی زبان رائج ہے اور مشہور محقق حافظ محمود شیرانی اسے قدیم اردو کی ہی ایک صورت قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود حسین جہاں ہریانی زبان کو اردو کا ماخذ ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں وہاں اس طرف بھی متوجہ کرتے ہیں کہ اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر تحقیق کرنے والوں کو علاقہ دہلی اور گرد و نواح کی زبانوں پر بھی توجہ کرنی چاہیے۔ ساتھ ساتھ ہمسایہ بولیوں پنجابی، برج بھاشا اور راجستھانی پر بھی نظر رکھنی چاہیے، ان خیالات کے بعد یہ محسوس ہوا ہے کہ ڈاکٹر مسعود حسین نے کم از کم چار بولیوں ہریانی، کھڑی، میواتی اور برج سے اردو کی کھچڑی پکائی ان پر اعتراضات بھی ہوئے کہ وہ ایک خاص نکتہ نظر تو بیان کرتے ہیں مگر اس کے ثبوت کے لیے لسانی دلائل پیش نہیں کرتے کہ اردو کس بولی سے وجود میں آئی۔

اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے بارے میں جدید ترین نظریات میں ڈاکٹر سہیل بخاری کا نظریہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری اردو زبان کو دراوڑی تہذیب تک لے جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں اردو زبان دراوڑی تہذیب و ثقافت جتنی ہی قدیم ہے یعنی یہ وہی قدیم ٹھیٹھ ہندوستانی یا دراوڑی زبان ہے جو عرصہ قدیم سے ہندوستان بھر میں رائج ہے۔ ان کے افکار و خیالات کی رو سے اردو زبان کا ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے نزدیک پنجاب، سندھ یا دکن کے علاقے کو اردو زبان کی جنم بھومی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری رقم طراز ہیں:

> "اردو بھی دنیا کی دوسری بولیوں کی طرح کسی بہت ہی پرانے جُگ میں گھڑی گئی تھی اور جب سے اب تک برابر اپنے کھنڈ دیس میں بولی جا رہی ہے جس پر اس کا نام کھنڈی یا کھڑی رکھا گیا تھا یہ مہاراشٹری جتھے کی دراوڑی بولی ہے جس نے جات بولی بن کر ہندوستان بھر کا سفر کیا ہے اور اب ہر جگہ سمجھی اور بولی جاتی ہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر سہیل بخاری الفاظ کے "صوتی تبادل" پر بھی بہت زور دیتے ہیں اور اردو زبان کو قدیم بولی بھی قرار دیتے ہیں۔ اس تمام لسانی بحث کے بعد ہم اردو زبان کے آغاز و ارتقا اور اس کی نشو و نما کے سلسلے میں در آنے والے محرکات اور عناصر سے روشناس ہوتے ہیں۔ اردو زبان کے حوالے سے جتنے بھی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے نہ تو کسی کو رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی ایک نظریے کو دوسرے پر فوقیت دی جا سکتی ہے کیوں کہ یہ سب نظریات کسی نہ کسی طور

حقیقت پر مبنی ہیں جن سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا۔ مزید بر آں ان نظریات نے اپنے قارئین کے لیے غور و فکر کے نئے در وا کیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اردو تحقیق کا دائرہ بھی مزید وسعت اختیار کر گیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء، ص:۹

۲۔ میر امن دہلوی، باغ و بہار، مرتبہ: رشید حسن خان، نئی دلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۲ء، ص:۷

۳۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبانِ اردو (بار دوم)، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۷ء، ص:۳۷

۴۔ محمد حسین آزاد، آب حیات، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص:۶

۵۔ عین الحق فرید کوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ، لاہور: ارسلان پبلی کیشنز، ۱۹۷۲ء، ص:۹۳

۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۹ء، ص:۱

۷۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء، ص:۹

۸۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبانِ اردو، ص:۴۷

۹۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر، مقدمہ تاریخ زبانِ اردو (بادوم)، دہلی: آزاد کتاب گھر، ۱۹۵۴ء، ص:۱۸۸

۱۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کا روپ، لاہور: آزاد بک ڈپو، ۱۹۷۱ء، ص:۱۱